۲۰

مومن کو ہمیشہ عقل و فکر اور شعور سے کام لینا چاہیئے

(فرمودہ ۸ - جون ۱۹۳۴ء)

تشہّد' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

ایمان اور عقل و فکر اور شعور، یہ ایسی لازم و ملزوم باتیں ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جُدا کیا ہی نہیں جاسکتا- ایمان کے ساتھ ہی انسان کو عقل اور شعور و فکر کا ایسا درجہ حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ درجہ دوسروں کو نہیں حاصل ہوسکتا کیونکہ عقل و فکر اور شعور وہ قوتیں ہیں جو اپنی ہدایت اور روشنی کیلئے نور کی محتاج ہیں اور یہ نور ایمان سے وابستہ ہوتا ہے- فطرتِ صحیحہ کے ساتھ بھی بیشک اس کا تعلق ہوتا ہے اور اس لئے کافر بھی اس سے حصہ پاتے ہیں مگر مومن ضرور حصہ پاتے ہیں- ممکن ہے ایک شخص کافر ہو مگر ساتھ ہی عقل و شعور اور فکر سے کام لینے والا ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ایک کافر ہو اور عقلمند نہ ہو' شعور اور فکر سے کام لینے والا نہ ہو لیکن یہ ممکن نہیں کہ سچا مومن ہو اور عقلمند' صاحبِ شعور اور صاحبِ فکر نہ ہو-

پس ایمان کے ساتھ شعور اور فکر اور عقل اور تفقّہ کو ایک گہری وابستگی ہے- گو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایمان عقل اور شعور کا نام ہے لیکن یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ چیزیں ایمان سے جُدا ہیں- یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انبیاء مبعوث کرتا ہے تو ان کے ذریعہ جو جماعتیں قائم ہوتی ہیں' وہ ہر میدان میں دوسروں سے آگے بڑھ جاتی ہیں کیونکہ ایمان کے ساتھ ہی خاص عقل پیدا ہوتی ہے- پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو ایسے مربی عطا کرتا ہے

یعنی پہلے انبیاء اور بعد میں خلفاء جو ان کی تربیت کرتے ہیں لیکن اگر ایمان کمزور ہو اور پھر انسان تربیت کی بھی پرواہ نہ کرے تو ظاہری ایمان دار کہلانے سے بجائے کسی فائدہ کے عقل اور بھی کوتاہ ہوجاتی ہے۔

قرآن کریم میں پڑھ کر دیکھو کس طرح بار بار عقل سے کام لینے کا حکم ہے۔ بار بار آتا ہے کہ تم تفقّہ نہیں کرتے' کیوں شعور سے کام نہیں لیتے' کیوں عقل نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر عقل اور فکر اور شعور کے انسان پوری طرح ایمان سے بھی کام نہیں لے سکتا۔ ایمان مغز ہے اور یہ چھلکا' ایمان دودھ ہے اور یہ پیالہ۔ کوئی دودھ بغیر پیالہ کے اور کوئی مغز بغیر چھلکا کے نہیں رہ سکتا۔ ہر مغز کا ایک چھلکا ہوتا ہے۔ بادام کو ہی دیکھ لو' اس کے اوپر کتنا سخت چھلکا ہوتا ہے۔ پھر اندر سے جو مغز نکلتا ہے۔ اس پر ایک باریک سا چھلکا ہوتا ہے' اس کے نیچے مغز نکلتا ہے۔ پھر اس میں سے بھی مغز اس کا رس ہوتا ہے۔ اور باقی فضلہ' اسی طرح یہ بات چلتی جاتی ہے۔ مَیں پہلے بھی دوستوں کو توجہ دلاتا رہا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مومن کو غور کرنا چاہیئے۔ کئی سال ہوئے چھ سات سال بلکہ اس سے بھی زیادہ غالباً ۲۴-۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ میں نے دوستوں کو توجہ دلائی تھی کہ رسول کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ دروازہ پر بار بار دستک نہیں دینی چاہیئے اور باہر نکلنے کا انتظار کرنا چاہیئے۔[۱] مگر بعض لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور بار بار دستک دیتے یا آوازیں دیتے ہیں۔ اُن دنوں مَیں گول کمرہ میں بیٹھتا تھا۔ بعض اوقات کسی ضروری کام میں مصروف ہوتا کہ جھٹ آکر کوئی دستک دے دیتا اور اس طرح کام میں حرج ہوتا۔ پھر میں نے کئی بار سمجھایا ہے کہ رُقعہ پڑھنے پر زیادہ وقت خرچ ہوتا ہے' اس لئے زبانی بات بتادینی چاہیئے اس طرح کام جلد ہوجاتا ہے۔ اور ایسے وقت میں کہ حرج نہ ہو مثلاً مسجد میں مَیں جب آؤں جاؤں یا نمازوں کے بعد بیٹھوں تو دعا کیلئے کہا جاسکتا ہے لیکن اگر پچاس ساٹھ رُقعے دے دیئے جائیں تو انہیں پڑھنے میں گھنٹہ پون گھنٹہ صرف ہوجائے گا۔ یا مثلاً مصافحہ ہے بعض لوگ پانچوں وقت مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور پانچوں وقت ہی قطار باندھ کر مصافحہ کیلئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ مصافحہ کے معنی ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جب کوئی شخص باہر سے آئے یا باہر جائے یا دیر سے ملے تو مصافحہ کرلیا جائے لیکن روزانہ ہی پانچ بار بے تحاشہ مصافحہ کرتے چلے جانا بے معنی بات ہے۔ یہ طریق نہ سنت سے ثابت ہے اور نہ عقل سے۔ یہ محض وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ قادیان کی آبادی اب

بہت وسیع ہوچکی ہے اس لئے جو لوگ محلوں میں رہتے ہیں' ان میں سے کئی پانچ چھ دن کے بعد مجھ سے ملتے ہیں۔ جمعہ کے روز یا کسی اور دن جو انہوں نے اس غرض کیلئے مقرر کیا ہوتا ہے ان کا اپنے آپ کو روشناس کرانے اور اپنے آپ کو یاد دلانے کیلئے مصافحہ کرنا ایک معقول بات ہے۔ یا پھر باہر جانے یا باہر سے آنے والوں کیلئے۔ یا میرے جانے یا آنے پر مصافحہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر پانچ وقت ہی مسجد میں ہر روز مصافحہ کرنا کسی سنت سے ثابت نہیں۔ منہ سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا تو مسنون ہے۔ مگر یہ مصافحہ سوائے ضیاعِ وقت کے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ پھر اس میں بعض دفعہ روشناس کرانے والی بات بھی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ بغل کے نیچے سے کوئی ہاتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ میں آگے ہوتا ہوں اور کوئی پیچھے سے میرے ہاتھ کو مروڑ رہا ہوتا ہے اور میں قیاس سے سمجھتا ہوں کہ کوئی مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ پھر میں نے کئی بار دیکھا ہے بعض لوگ میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ ہم نے تو بزرگوں سے یہ سنا ہے کہ بڑے چھوٹوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہیں اس کی غرض برکت دینا ہوتی ہے لیکن بچوں کا باپ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا یا مریدوں کا امام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا بالکل عجیب بات ہے۔ اسی طرح میں نے کئی دوستوں کو دیکھا ہے اور توجہ بھی دلائی ہے کہ وہ دبانے بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ دیگر فنون کی طرح دبانا بھی ایک فن ہے اور ہر شخص اسے نہیں جانتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو میں نے دیکھا ہے کہ آپ بعض دفعہ دبانے والوں کی طرف سے تکلیف پہنچنے کی وجہ سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ کوئی ایسا دبانے والا بیٹھ جاتا کہ آپ کو کُھجلی ہونے لگتی۔ آپ طبیعت کی شرم کی وجہ سے کہہ نہ سکتے کہ ایسا نہ کرو اور اُٹھ کر اندر تشریف لے جاتے۔ جتنے لوگ دماغی کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کی اعصابی حِسّ بہت تیز ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کُھجلی پیدا کرنے والی چیز برداشت نہ کرسکتے تھے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ پھر میری یہ حالت ہے کہ اگر میرے بدن پر ہاتھ رکھ دیا جائے تو میری حالت ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔ ایسے موقع پر میں اکثر چلا جاتا ہوں۔ یا اگر کوئی ضروری کام ہو یا بات ہورہی ہو تو اپنے نفس پر جبر کرکے منع کردیتا ہوں۔ وہ تو برکت حاصل کرنے کیلئے ایسا کرتے ہیں مگر مجھے گُدگُدی اور کُھجلی ہوتی ہے کہ طبیعت میں سخت انقباض پیدا ہوتا ہے۔ پھر کئی لوگ ہیں کہ وہ دبانے لگتے ہیں مگر دوچار بار دبا کر پھر کمر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو برابر کے دوست کیلئے بھی معیوب بات ہے چہ جائیکہ

امام جماعت کیلئے ہو- ہماری مجالس سے باہر غیر احمدی بلکہ غیر مسلم بھی آکر بیٹھتے ہیں اور عام طور پر ہماری جماعت کو مہذب اور شائستہ سمجھا جاتا ہے- ایسی حالت دیکھ کر ان لوگوں پر کیا اثر ہوتا ہوگا- پھر انسان کو خود بھی عقل سے کام لینا چاہیئے- بعض اوقات میں نے دیکھا ہے بیعت ہونے لگتی ہے اگر تو اس میں کوئی ایسی چیز ہو جو غیر معروف ہو' کوئی حدیث ہو کہ پتہ نہ لگ سکے کس طرح کرنی چاہیئے' تو ایک بات بھی ہے لیکن قرآن کریم میں صراحت ہے کہ بیعت ہاتھ سے کی جاتی ہے۵ - لیکن بعض لوگ بیعت کے وقت پاؤں پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں- خلیفہ کی بیعت دراصل اس کی نہیں بلکہ مامور کی بیعت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مامور کے ہاتھ کو اپنا دایاں ہاتھ قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جسے خدا کا ہاتھ ہونے کا اعزازی مقام عطا کیا گیا ہو' اس کا قائمقام پاؤں کو سمجھ لینا کتنی بڑی ہتک ہے- یہ تو ٹھیک ہے کہ پیارے کی ہر چیز پیاری ہوتی ہے لیکن پھر بھی ہر چیز کا اپنا مقام ہے- سر اپنی جگہ ہے اور پیر اپنی جگہ- پھر بیعت کے وقت بعض دوست پیٹھ کی طرف آکر بیٹھ جاتے ہیں- اور بغل کے نیچے سے یا اوپر کی طرف سے ہاتھ نکالتے ہیں اس وقت کا نظارہ بیعت کا نظارہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ایک ماہی گیر جال کے اندر ہاتھ ڈال کر مچھلی نکال رہا ہے- مجھے اللہ تعالیٰ نے ذکاوتِ حسّ دی ہے اور اسی کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور میں تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ایک مومن کس طرح سوچے سمجھے بغیر بیعت کے وقت پیٹھ پر یا پیر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہے- ہاتھ تو اس کے ہاتھ پر ہونا چاہیئے جس کی بیعت کی جارہی ہو یا اس کے ہاتھ پر جس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہو- بیعت کرنے والے کے بازوؤں وغیرہ پر بھی ہاتھ رکھا جاسکتا ہے مگر یہ کیا کہ بیعت کرنے والے کی پیٹھ پر یا اس کے پیر پر ہاتھ رکھ دیا جائے- ہر انسان کو دبوانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ دبانا کیا ہوتا ہے- دبانے میں کبھی دورانِ خون بند ہوتا ہے اور کبھی کھلتا ہے- اور بند ہونے کے بعد کھلنے پر تیزی سے چلنے لگتا ہے- اسی وجہ سے فالج کے مریض کو دبواتے ہیں تا خون کا دورہ تیز ہو- لیکن دبائے رکھنے سے خون کا دباؤ کم ہوتا ہے بلکہ وہ سُن ہوجاتا ہے- جیسے کمزور آدمی جس پہلو پر لیٹے وہ سُن ہوجاتا ہے اسی طرح ہاتھ رکھ دینے سے طاقت آنے اور آرام ملنے کی بجائے ضعف ہوتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے- پھر میں یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص اتنی عقل نہ رکھتا ہو کہ وہ خیال کرسکے جب میں رُقعہ بھیجوں گا تو ممکن ہے کوئی ضروری کام

کر رہے ہوں اور اس میں حرج ہو۔ جو بھی رُقعہ لے کر آئے گا مجھے کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنا پڑے گا، رُقعہ لینا پڑے گا اور اس طرح کام کا حرج ہوگا اور وقت ضائع ہوگا۔ اگر یہ کیفیت کبھی کبھی پیش آئے تو خیر لیکن یہاں تو یہ حالت ہے کہ سارا سارا دن بچوں کے ہاتھ رُقعوں پر رُقعے چلے آتے ہیں حالانکہ اگر اس طرح بھیجنے کی بجائے اس بکس میں ڈال دیئے جائیں جو پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں اسی غرض سے لگا ہوا ہے تو بھی مجھے پہنچ جاتے ہیں۔ رُقعے لینے کیلئے مجھے بیس تیس بار اٹھنا پڑتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کچھ لکھنے بیٹھا ہوں، دو سطریں لکھی ہیں کہ کھٹ کھٹ ہوئی، اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک بچہ نے رُقعہ دے دیا کہ فلاں صاحب نے دیا ہے۔ پھر دروازہ بند کرکے بیٹھا اور دو سطریں لکھیں کہ پھر کسی نے آکر کھٹکھٹانا شروع کردیا اور لاکر رُقعہ دے دیا۔ ایسے رقعوں کے متعلق میرا تجربہ ہے کہ ان میں سے ننانوے فیصدی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے فوری طور پر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ مسجد میں وہی بات کہی جاسکتی ہے یا بکس میں رُقعہ ڈالا جاسکتا ہے ننانوے فیصدی بھی نہیں ہزار میں سے نَو سَو ننانوے ایسے ہوتے ہیں اور ان میں سے شاید ایک ایسا ہو جس کے متعلق کہا جاسکے کہ جائز طور پر بھیجا گیا ہے۔ اور ایسے رُقعوں کے متعلق میں نے کہا ہوا ہے کہ چاہے رات ہو یا دن، میں جاگ رہا ہوں یا سوتا ہوں یا کوئی اور کام کرنے میں مصروف ہوں، ہر وقت مجھے پہنچائے جاسکتے ہیں اور ایسے موقع پر تو میں رُقعہ بھیجنے والے کا ممنون ہوتا ہوں کہ میرے فرض کی طرف اس نے توجہ دلائی ہے۔ لیکن یہ رُقعے جن کا میں نے ذکر کیا ہے، فرض کی ادائیگی کے رستہ میں روک ہوتے ہیں۔ ان میں سے فی ہزار نَو سَوننانوے ایسے ہوتے ہیں جن میں دعا کی تحریک ہوتی ہے۔ ان کو بھلا بکس میں کیوں نہیں ڈالا جاسکتا۔ یا دوسرے وقت میں مجھے زبانی کیوں نہیں کہا جاسکتا یا اگر رُقعہ ہی دینا ہو تو کیوں نہیں دیا جاسکتا۔ جو رُقعے بکس میں ڈالے جاتے ہیں ان کو یا تو میں پڑھتا ہوں یا کسی کو دے دیتا ہوں کہ دیکھ کر لسٹ بناوے۔ اور ہر ایک کا نام اور غرض لکھ دے۔ بہرحال وہ مجھے پہنچ جاتے ہیں۔ اگرچہ میں نے بارہا کہا ہے کہ رقعوں سے زیادہ زبانی بات کرنی چاہیئے اس سے بے تکلفی پیدا ہوتی ہے جو امام اور جماعت میں ہونی چاہیئے۔ یہاں کوئی بادشاہت تو نہیں یہ تو محبت و پیار کا تعلق ہے، سونٹے یا تلوار کا نہیں اور ایسے تعلق کیلئے بے تکلفی ضروری ہے اس لئے جب ملنے کا موقع ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ سکتے ہیں اور دعا کیلئے اطلاع دے سکتے ہیں۔ پہلے بعض لوگ مسائل بھی

علیحدہ مل کر دریافت کیا کرتے تھے لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری نصیحت کے بعد یہ بات اب کم ہوگئی ہے- اور سوالات عام طور پر مسجد میں پوچھ لئے جاتے ہیں گو اتنا نہیں جتنا علیحدگی میں پوچھتے تھے- پہلے تو یہ عام عادت تھی کہ کہتے ہم نے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے علیحدہ وقت دیا جائے- حالانکہ میں نے بارہا کہا ہے کہ مسئلہ مجلس میں پوچھنا چاہیئے تاکہ دوسروں کو بھی فائدہ ہو- مگر خیر یہ مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ گزشتہ نصیحت کے بعد اب اس میں کمی ہوگئی ہے لیکن آج کل مصافحوں اور رُقعوں میں پھر زیادتی شروع ہوگئی ہے- مصافحہ کرنے والوں میں جنہیں میں پہچانتا ہوں اسّی فیصدی وہ لوگ ہوتے ہیں جو پانچوں نمازیں مسجد میں پڑھتے ہیں اور صرف بیس فیصدی ایسے ہوتے ہیں جو باہر سے بطور مہمان آتے ہیں یا محلوں میں رہتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے مصافحہ کرنا جائز بلکہ ضروری ہے تا شناخت رہے- مجھے ان کے اخلاص کا علم ہو اور معلوم ہوسکے کہ دین کی طرف ان کی کتنی توجہ ہے- مگر جن لوگوں کو پانچ' چار' تین یا بدرجہ اقلّ دو نمازیں مسجد مبارک میں پڑھنے کا موقع ملتا ہے' ان کیلئے ضروری نہیں کہ ہر بار مصافحہ کریں بلکہ بعض حالات میں ان کا مصافحہ تکلیف دہ ہوتا ہے اس لئے آج پھر دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ عقل و فکر اور شعور صرف ہمارا ہی حصہ ہے- قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں مومن کا ہی حصہ ہوتی ہیں- جو چیز دوسروں کو بہت بڑی محنت' کوشش' جدوجہد' تگ ودو اور دوڑ دھوپ کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ مومن کو بطور موہبتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے-

پس ہر کام جو کرنے لگو پہلے سوچو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا پھر معلوم ہوجائے گا کہ کسی چیز میں کیا خوبیاں ہیں اور کیا بُرائیاں- اسلام نے جو قانون بتایا ہے وہ یہی ہے کہ جس کام کی بُرائیاں نیکیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوں' وہ نہ کرو- اسی اصل کے ماتحت دیکھ لینا چاہیئے کہ جو کام کرنے لگے ہو' اس کا فائدہ کیا ہے- اور اگر اس طرح غور کرلیا جائے تو میں سمجھتا ہوں ان باتوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو کی جائے- روزانہ بار بار مصافحہ کرنا' بچوں کے ہاتھ رُقعے بھیجنا' بیعت کے وقت پیٹھ پر یا پاؤں پر ہاتھ رکھنا' یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ غور کرنے سے انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ یہ کرنے کی نہیں اور اس طرح ان غلطیوں سے اجتناب ہوسکتا ہے- میں نے پہلے بھی توجہ دلائی ہے اور اب پھر نصیحت کرتا ہوں کہ ان باتوں میں وقت ضائع نہ کیا کریں- مشایعت یا استقبال صحابہ سے ثابت ہے- یہ چیزیں محبت اور بعض حالات میں قومی وقار کو بڑھانے والی ہیں- لیکن جب کوئی مبلغ آتا جاتا یا میں باہر جاتا آتا ہوں تو ہمیشہ ایسے موقع

پر ایسی غلطیاں ہوتی ہیں جن کی اصلاح کی طرف منتظم توجہ نہیں کرتے۔ رستہ ایسا تنگ بناتے ہیں کہ دھکے پر دھکے پڑتے ہیں۔ مثلاً کل ہی جب میں آیا تو ہزار کے قریب لوگ ہوں گے۔ اور یہاں کون سا ایسا خطرہ ہے کہ کوئی شخص بم یا گولی چلادے۔ مگر پھر بھی انتظامی لحاظ سے ایسی گھبراہٹ ٹپکتی تھی جو مضحکہ خیز تھی۔ میں نے دیکھا کہ انتظام کرنے والے لوگوں کے ساتھ درشتی کے ساتھ پیش آتے تھے جس طرح مجسٹریٹ مجرم سے پیش آتا ہے۔ وہ سینہ سے سینہ ملا کر کھڑے تھے، رستہ کسی کو دیتے نہیں تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دھکے پڑتے تھے اور مجھے بھی ساتھ ہی تکلیف ہوتی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اتنی گھبراہٹ کی کیا ضرورت ہے۔ کل اتنے آدمی تو نہیں تھے جتنے آج ہیں۔ پھر ہماری جماعت کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو قانون کی پابندی کا عادی ہے۔ اگر انہیں سمجھادیا جائے تو وہ بدنظمی پیدا نہیں کرتے لیکن انتظام بھی تو ایسا ہونا چاہیئے کہ خواہ مخواہ تکلیف نہ ہو۔ جب کسی سے مصافحہ کا انتظام کرنا ہو تو کم سے کم تین گز چوڑی گلی ہونی چاہیئے۔ تنگ رستہ سے نظر آنا بھی محال ہوتا ہے۔

مثلاً کل مَیں نے دیکھا کہ بعض تنگ گلی میں سے گذرتے ہوئے مجھ سے بھی آگے بڑھ جاتے اور پھر یہی منتظم ان پر ہنستے حالانکہ اس کی وجہ جگہ کی تنگی ہے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے مصافحہ کرنے والے کو دوگز آگے جاکر ہوش آتی ہے۔ اگر رستہ چوڑا ہو تو دُور سے ہی بآسانی نظر آسکتا ہے۔ پھر مجبور کیا جاتا ہے کہ ایک ایک کرکے گزرو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی حصہ میں آدھا یا ۱/۴ منٹ دوسرے آدمی کے آنے تک ضائع ہوجاتا ہے اور ہر آدمی کے گزرنے کے بعد بھی تین چار سیکنڈ ضرور ضائع ہوتے ہیں۔ اگر تین تین چار چار آتے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ ان میں سے کون سے ایسے لوگ آجائیں گے کہ جو پہچانے نہ جاسکیں۔ تو ہمارے ہر انتظام میں معقولیت ہونی چاہیئے۔ اور جو گڑبڑ ایک بار ہو دوسری بار ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں کاٹا جاتا[۲]۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ مسلمان جو غلطی ایک دفعہ کرتا ہے دوسری دفعہ اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔ لوگوں نے اس کے یہ معنی سمجھ لئے ہیں کہ دوسری بار دھوکا نہیں کھاسکتا۔ مگر یہاں عام لفظ ہے کہ ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں کاٹا جاسکتا۔ چاہے وہ علم کے متعلق ہو یا عرفان کے متعلق، دینی ہو یا دُنیوی جب ایک دفعہ اس میں غلطی کرے تو دوسری دفعہ ضرور سنبھل جاتا ہے۔ پس اگر منتظم غور کریں تو اپنے انتظام کے نقائص انہیں معلوم ہوسکتے ہیں اور

وہ انہیں دور کرسکتے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں بیس سال سے مصافحہ کے وقت یہ غلطی ہو رہی ہے لیکن ہر بار وہی نقص نظر آتا ہے اور جو غلطی ایک بار ہوجائے وہ دوسری بار بھی ضرور ہوگی۔ یہ باتیں بتاتی ہیں کہ ہمارے دوستوں میں غوروفکر کی عادت نہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ ہر کام سے پہلے اس کے متعلق غوروفکر کرے اور جو غلطی معلوم ہو اسے پھر نہ ہونے دے۔ ایک ایک آدمی بھی ہر روز اس بات کو سمجھنے لگتا تو بیس سال میں کئی ہزار آدمی سیکھ سکتے تھے اور پھر وہ لاکھوں کو ٹریننگ دے سکتے تھے۔ اس کے بعد میں دوستوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مولوی جلال الدین صاحب جو کھرپیڑ ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے اور ملکانوں میں تبلیغ کیلئے مین پوری رہتے تھے، فوت ہوگئے ہیں۔ وہ پرانے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ میں دیر سے انہیں جانتا ہوں۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آئے یا بعد میں لیکن حضرت خلیفہ اول کے زمانہ سے میرے ان سے تعلقات تھے۔ میرا ستائیس سالہ تجربہ ہے کہ میں نے ان کے چہرہ پر کبھی اصامت کے آثار نہیں دیکھے، ہمیشہ خوش نظر آتے۔ کئی دفعہ وہ اپنے معاملات پیش کرتے۔ اور انہیں ایسا مشورہ دینا پڑتا جو ان کے خاندان کے خلاف ہوتا مگر وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے سنتے اور ہنستے ہوئے کہتے کہ اچھا یہ بات ہے اور کبھی کسی بات پر بُرا نہ مناتے۔ انہیں تبلیغ کا جنون تھا۔ مین پوری میں جو احمدی آتے بلکہ بعض اوقات وہاں سے غیراحمدی بھی آتے، وہ بتاتے کہ ان کے تقویٰ و طہارت کا اس علاقہ میں گہرا اثر ہے۔ جس طرح ان کی وفات ہوئی وہ بھی اپنے اندر شہادت کا رنگ رکھتی ہے۔ سخت گرمی کے دن ہیں وہ ایک جگہ تبلیغ کیلئے گئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ تمام دن وہیں گذاریں۔ لوگوں نے بھی کہا کہ گرمی بہت ہے، یہیں ٹھہر جائیں۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ نہیں دوسری جگہ جاکر بھی تبلیغ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ چلے گئے اور رستہ میں سن سٹروک جسے ضَرْبَۃُ الشَّمْسِ کہتے ہیں ہوگیا۔ اور بیہوشی میں کسی گُردوارے کے سامنے جاگرے اور فوت ہوگئے۔ لوگوں نے پولیس والوں کو بلالیا۔ وہ بھی آپ کو پہچانتے تھے تو یہ موت بھی شہادت کی موت ہے کوئی وجہ نہیں کہ اگر دین کے معاملہ میں کوئی دشمن ماردے تو شہادت ہو لیکن اگر کوئی شخص خود دیانتداری کے ساتھ خدمت دین کرتا ہوا مرجائے تو وہ شہید نہ ہو۔ نماز کے بعد مَیں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا' دوست شریک ہوں۔

ان کے جنازہ کے متعلق کہنے کے علاوہ میں یہ بات کہنے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ اپنے

نوجوان مبلغین کو توجہ دلاؤں کہ وہ مرحوم سے سبق سیکھیں- ان میں بعض کے متعلق شکایتیں آتی ہیں کہ وہ کام چور ہیں- انہیں چاہیئے کہ اپنے بزرگوں اور استادوں سے سبق سیکھیں- حافظ روشن علی صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ دین کیلئے اس طرح کام کرتے تھے جیسے گھڑی چلتی ہے اور کبھی تکان محسوس نہیں کرتے تھے- رات ہو یا دن کبھی کام سے جی نہ چُراتے- اسی طرح پرانے مبلغوں میں سے مولوی غلام رسول صاحب راجیکی ہیں- ان کی صحت خراب رہتی ہے اور وہ اعصابی کمزوری میں مبتلاء ہیں- یہ ایسا مرض ہے کہ عام لوگ اس میں مبتلاء ہوکر کام ہی نہیں کرسکتے مگر وہ لگے رہتے ہیں حالانکہ کبھی سخت دورہ ہوجاتا ہے- بعض اوقات لقوہ وغیرہ بھی اس مرض کے نتیجہ میں ہوجاتا ہے مگر وہ قدرے افاقہ ہونے پر پھر کام میں لگ جاتے ہیں اسی طرح مرحوم کا نمونہ بھی بہت اچھا تھا- ایک اور صاحب ہماری جماعت میں مولوی غلام حسن صاحب لاہور کے تھے- انہیں کتابوں سے اتنا عشق تھا کہ کتابوں سے بڑھ کر ان کے نزدیک کسی چیز کی کوئی قیمت ہی نہ تھی- حضرت خلیفۃ المسیح الاول بہت کتابیں پڑھتے تھے مگر وہ فرماتے کتابیں پڑھنے کے لحاظ سے مولوی غلام حسن صاحب مجھ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور اس لحاظ سے شاید ہندوستان بھر میں اس صدی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا- وہ بہت غریب تھے- حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے- ایک دفعہ ان کی غربت کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ ان کی کوئی خواہش پوری کرکے ثواب حاصل کروں- یہ سوچ کر میں نے پوچھا مولوی صاحب آپ اپنی کوئی خواہش بتایئے- تو کہنے لگے میری خواہش تو یہی ہے کہ چاروں طرف کتابوں کی دیواریں ہوں اور مجھے اندر ڈال دیا جائے- رات کو کوئی شخص مجھے چراغ جلا کر پکڑادیا کرے روٹی کی بھی مجھے ضرورت نہیں میں وہاں بیٹھا کتابیں پڑھتا رہوں اور جب وہ ختم ہوجائیں تو نکل آؤں- گویا وہ اِدھر گئے ہی نہیں جو حضرت خلیفہ اول کا منشاء تھا- وہ ایسے غریب آدمی تھے کہ سات سات وقت کے فاقے آتے مگر پھر بھی منہ سے کبھی کسی کو اپنی حالت نہ بتاتے- ہمیشہ ہشاش بشاش نظر آتے اور پھر اپنے انہماک میں ہی کھانے بیٹھتے تو سات سات آٹھ آٹھ آدمی کا کھانا کھاجاتے- میں چھوٹا تھا کہ بخار سے بیمار ہوا اور ڈاکٹر نے کہا شملہ بھیج دیا جائے- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے شملہ بھیج دیا- میں وہاں پہنچا تو مولوی صاحب وہاں تھے- میرا ذکر سن کر ملنے آئے اور بتایا کہ ایک غیراحمدی کلرک مجھ سے عربی پڑھا کرتا تھا- اس کا دفتر گرمیوں میں شملہ آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب تو سبق رہ

جائے گا- اس نے کہا ہاں مگر کیا ہوسکتا ہے- مولوی صاحب کہنے لگے اگر میں شملہ آجاؤں تو پڑھا کرو گے؟ اس نے کہا ہاں ضرور پڑھوں گا- چنانچہ آپ اپنے خرچ پر شملہ آگئے محض اس خیال سے کہ انگریزی خوانوں میں عربی کا شوق پیدا ہو- اس وقت اُن کی عمر ستر برس کے قریب تھی مگر ادب اور عشق کا یہ حال تھا کہ میں جہاں جاتا برابر ساتھ جاتے- سیر کے وقت بھی ساتھ رہتے- میری عمر اُس وقت سترہ سال کے قریب تھی اور دوسرے دوست بھی جو سیر وغیرہ میں شریک ہوتے عام طور پر نوجوان تھے- سیر کے وقت دل چاہتا کہ آگے جائیں' مگر اس خیال سے کہ مولوی صاحب بوڑھے ہیں واپس آجاتے- میں نے دوستوں سے کہا کہ سیر کو چُپکے سے چلا کریں جب مولوی صاحب باہر ہوں- چنانچہ اگلے روز جب مولوی صاحب باہر تھے' ہم چُپکے سے دوسرے دروازے سے نکل گئے- مگر تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ دیکھا سامنے پہاڑ پر سے مولوی صاحب ڈنڈا ہاتھ میں پکڑے اور بڑے بڑے ڈگ بھرتے ہوئے آرہے ہیں- آتے ہی کہنے لگے واہ جی آپ لوگ مجھے چھوڑ آئے- ہم نے کہا ہم تو آپ کی تکلیف کے خیال سے چھوڑ آئے تھے- کہنے لگے بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبزادے آئیں اور میں ہم رکاب نہ رہوں- تو یہ لوگ دن رات کام کرنے والے تھے اور حددرجہ کا تقویٰ اور اخلاص رکھتے تھے- ہمارے نوجوان مبلغوں کو بھی چاہیئے کہ ان لوگوں کی زندگیوں کو اپنے لئے خضرِ راہ بنائیں- اور علم حاصل کرنے اور تبلیغ کرنے میں ان کے نمونوں سے سبق سیکھیں- ان کے متعلق بعض اوقات شکایت آتی ہے کہ کام کے موقع پر تکان وغیرہ کا عُذر کرتے ہیں حالانکہ جب دشمن حملہ آور ہو' اُس وقت کون کہا کرتا ہے کہ میں تھکا ہوا ہوں- انہیں چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے محنت اور اخلاص سے کام کریں اور پھر کتابی علم پر بنیاد نہ رکھیں بلکہ تقویٰ اور تعلق باللہ پر بنیاد ہونی چاہیئے- اصل علم وہی ہے جو تقویٰ سے حاصل ہو- میں نے لاہور میں جو ابھی لیکچر دیا' اس کے بعد کئی ہندو' مسلمان ملنے آئے- وہ کہتے کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ اس قسم کے مضمون کی تیاری کرسکیں حالانکہ میں نے اسے صرف چند گھنٹوں میں تیار کیا تھا- مگر وہ سمجھتے تھے اس کیلئے مہینوں بلکہ سالوں کی ضرورت ہے- تو اللہ تعالیٰ جو بات سمجھائے' وہ جلدی سمجھ میں آجاتی ہے- میں حافظِ قرآن نہیں ہوں اور طبعاً حوالہ والی کوئی بات مجھے یاد نہیں رہتی- قرآن شریف کے ہزارہا مضامین میرے ذہن میں ہیں لیکن آیات سوائے سورۃ فاتحہ کے میں شاید نہ بتاسکوں کہ کس سورۃ کی ہیں- خواہ وہ ایسی

سورتوں کی ہوں جو میں روزانہ پڑھتا ہوں۔ اس وجہ سے مجھے حافظوں کی یا کلید کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو حوالوں کے متعلق میرا حافظہ بہت کمزور ہے لیکن جہاں کوئی بتانے والا نہ ہو وہاں اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے۔ پانچ سات سَو صفحات کی کتاب کو جہاں سے کھولا' وہیں مطلوبہ مضمون سامنے آگیا۔ ابھی جو لیکچر میں نے دیا ہے اس کیلئے دنیوی علوم کے متعلق مجھے ایک چیز کی ضرورت تھی۔ اس کیلئے ایک کتاب تھی جو میں نے کبھی نہ دیکھی تھی لیکن جونہی کہ میں نے اسے کھولا' معاً وہی چیز میرے سامنے آگئی اور جب میں نے اپنے لیکچر میں اس کی طرف اشارہ کیا تو سننے والے معلوم نہیں کیا خیال کرتے ہوں گے کہ یہ بات کتنا عرصہ زیرِ غور رہی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بڑی محنت کرنی پڑتی ہے لیکن اگر فوری ضرورت ہو تو اللہ تعالیٰ ایسا معجزانہ کام بھی کردیتا ہے۔

پس ہمارے مبلّغوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلقات مضبوط کریں اور بڑھاتے رہیں۔ عام طور پر میں رسالوں وغیرہ میں مضامین پڑھتا رہتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے اکثر حوالوں کے پیچھے پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ روحانی پہلو اِن میں بہت کمزور ہوتا ہے۔ پُرانی تفسیروں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اول یا میرے ترجمہ کی طرف دھیان کم معلوم ہوتا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو علوم اور معارف دنیا کے سامنے پیش کئے' ان کے سامنے پہلی تفسیریں مُردہ ہیں۔ پس مولوی صاحب کے جنازہ کے علاوہ اپنے مبلّغین اور دوسرے نوجوانوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں۔ تبھی وہ دنیا میں ممتاز حیثیت قائم کرسکتے ہیں وگرنہ دنیوی سامان ہمارے مخالفوں کے پاس بہت زیادہ ہیں۔

(الفضل ۱۴۔ جون ۱۹۳۴ء)

۱؎ بخاری کتاب الاستئذان باب التسلیم والاستئذان ثلاثًا

۲؎ الفتح:۱۱

۳؎ بخاری کتاب الادب باب لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین